نوابزادہ لیاقت علی خان کا سیاسی کردار: ایک مختصر جائزہ

عذرا وقار

لیاقت علی خان یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء کو کرنال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۰ء میں علی گڑھ میں داخل ہوئے اور ۱۹۱۹ء میں گریجویٹ ہو کر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے جہاں سے ۱۹۲۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے اصول قانون میں آنرز کی ڈگری لی اور ۱۹۲۲ء میں انرٹمپل سے بیرسٹری کے امتحان میں کامیاب ہوئے اور اسی سال وطن واپس آ گئے اور ۱۹۲۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۲۶ء میں یو۔ پی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا اور اسمبلی میں ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر منتخب ہو گئے اور ۱۹۳۷ء تک ممبر رہے۔ ۱۹۳۸ء میں وہ یو۔ پی کی مسلم لیگ اسمبلی پارٹی میں شامل ہو گئے اور چھ برس یو۔ پی کونسل میں ڈپٹی لیڈر رہے۔

قائداعظم محمد علی جناح سے لیاقت علی خان کی پہلی ملاقات نہرو رپورٹ کے حوالے سے دسمبر ۱۹۲۸ء میں آل پارٹیز کنونشن کے موقع پر کلکتہ میں ہوئی۔ یہ ملاقات خالصتاً سیاسی تھی۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں انہوں نے لندن میں قائداعظم محمد علی جناح سے ایک نجی ملاقات کی اور زور دیا کہ وہ اپنی خود عائد کردہ جلاوطنی ترک کر کے ہندوستان واپس آ کر از سرنو مسلمانوں کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیں۔ پھر ۱۹۳۴ء میں جب قائداعظم نے ہندوستان میں آل انڈیا مسلم لیگ کی از سرنو تنظیم کا کام شروع کیا تو نوابزادہ لیاقت علی خان ان رہنماؤں میں شامل تھے جنہوں نے جون ۱۹۳۴ء میں علامہ اقبال سے ملاقات کر کے آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی و صوبائی پارلیمانی بورڈوں کی تشکیل کے لیے ہدایات وصول کیں۔ اپریل ۱۹۳۴ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس بمقام بمبئی کے دوران نوابزادہ لیاقت علی خان کا نام آل انڈیا مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری کے عہدے کے لیے تجویز ہوا تو قائداعظم نے اس کی تائید کی۔[۲] نوابزادہ لیاقت علی خان نے لیگ کے اعزازی سیکرٹری کے عہدے پر اور قائداعظم نے لیگ کے صدر کی حیثیت میں تقریباً گیارہ سال

اکٹھے کام کیا۔ گویا قیام پاکستان تک یہ دونوں رہنما بالترتیب صدر اور اعزازی سیکرٹری کے عہدوں پر مامور رہے۔ ان گیارہ برسوں میں اختلافات میں گھری ہوئی مسلم لیگ نہ صرف مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے متعارف ہوئی بلکہ اس تصور کو بھی تقویت ملی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مسلم ریاست کا قیام ناگزیر تھا۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں یہ تصور اس وقت مسلم لیگ کی سطح پر متعارف ہوا جب سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس میں ہندوستان کو مسلم اور غیر مسلم دو وفاقوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ نوابزادہ لیاقت علی خان اس اجلاس میں شریک تھے۔ پھر مارچ ۱۹۳۹ء میں انہوں نے خود ڈویژنل مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں اپنے خطبۂ صدارت کے دوران کہا ''اگر ہندو اور مسلمان امن وآشتی سے نہیں رہ سکتے تو ملک کو باہم تقسیم کرلیں اور الگ الگ ہو جائیں۔ اس طرح دونوں کو اپنے اپنے طریقے پر اور اپنے اپنے کلچر وتمدن کے تحت زندگی گزارنے کا اور اپنی اپنی خصوصیات کو فروغ دینے کا موقع ملے گا۔

نوابزادہ لیاقت نے اس وقت بھی قائداعظم کا ساتھ دیا جب ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے سوال پر مسلم لیگ دو حصوں یعنی شفیع لیگ اور جناح لیگ میں بٹ گئی اور انہوں نے کمیشن کے بائیکاٹ کی حمایت کی۔[۳] ۱۹۲۸ء میں موتی لال نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کی تمام توقعات پر پانی پھیر دیا اور مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ اس بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے قائداعظم کی قیادت میں ایک وفد انڈین نیشنل کنونشن میں بھیجا جائے جو اسی سال دسمبر میں کلکتہ میں منعقد ہو رہا تھا۔ لیاقت علی خان بھی اس وفد میں شامل تھے۔ چونکہ کنونشن پر ہندو سبھا کا غلبہ تھا اس لیے مسلمانوں کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور یہ وفد مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ مارچ ۱۹۳۳ء میں قائداعظم کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر بنانے پر اصرار کیا گیا اور فروری ۱۹۳۴ء میں آغا خان نے مسلم کانفرنس میں انہیں یہی مشورہ دیا۔ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کو مسلم لیگ اجلاس میں مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کی غلط فہمیاں دور کی گئیں اور مسلم لیگ ایک بار پھر متحد ہو گئی۔[۴] قائداعظم انگلینڈ سے جنوری ۱۹۳۵ء میں واپس آ گئے اور مسلم لیگ کو منظم کرنا شروع کیا۔

تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم اور لیاقت علی خان کی رفاقت اور ہم آہنگی مثالی تھی۔ ان کے درمیان بہ ظاہر کسی ایک مسئلے پر بھی کبھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ نوابزادہ صاحب ایک عملی انسان تھے اور اسی لیے حقیقت پسند بھی تھے۔ اسی لیے قائداعظم ان پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مئی ۱۹۳۹ء میں جب انہوں نے اپنی آخری وصیت تحریر کی تو محترمہ فاطمہ جناح اور لیاقت علی خان کو اپنی املاک و جائیداد کا متولی اور مشترکہ مختار مقرر کیا۔ ۱۹۴۳ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس بمقام کراچی نوابزادہ صاحب کو نئی معیاد کے لیے از سر نو مسلم لیگ کا اعزازی سیکرٹری منتخب کیا گیا تو قائداعظم نے نوابزادہ صاحب کے بارے میں کہا کہ وہ ان کے دست راست ہیں۔ انہوں نے دن رات کام کیا ہے اور انہیں مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔ [۵]

بہت سے چوٹی کے مسلم لیڈر، جن میں یو۔ پی کے نواب اسماعیل خان، پنجاب کے سر سکندر حیات اور بنگال کے سر فضل الحق شامل ہیں، قائداعظم کو اپنے پیغامات لیاقت علی خان کے ذریعے بھیجتے تھے۔ اس خیال سے کہ براہ راست بات چیت سے غلط فہمی پھیلنے کا امکان تھا۔ اس طرح لیاقت علی خان وقتاً فوقتاً مسلم لیگ کے رہنماؤں کے درمیان فاصلے کم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کے علاوہ وہ قائداعظم کو ملک میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں سے آگاہ کرتے رہتے۔ اگر ان حالات کا بروقت تجزیہ نہ کیا جاتا تو بحران پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس کے علاوہ اگر قائداعظم اور دیگر رہنماؤں کے درمیان کشیدگی کی صورت پیدا ہو جاتی وہ اس کو عام ہونے سے بیشتر ہی ختم کرنے کی کوشش کرتے تاکہ مسلم لیگ قیادت میں اتحاد رہے کیونکہ اس وقت مسلم لیگ کا ایک مثبت تصویر پیش کرنا ضروری تھا تاکہ کانگرس کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکے۔ [۶]

نوابزادہ صاحب نے قائداعظم کے ترجمان (غیر سرکاری) کی حیثیت سے کئی بار ان کی نمائندگی، مثلاً ۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو علی گڑھ کے طلبا کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا انہیں آئندہ انتخابات میں پورے

جوش وخروش سے حصہ لینا چاہیئے کیونکہ مسلمانوں کے لیے یہ انتخابات زندگی اور موت کا مسئلہ ہیں۔انہوں نے یہ دلیل دی کہ اگر طلبا کا مستقبل تاریک اور مایوس ہوگا تو اسوقت ان کی ڈگری کس کام آئے گی۔اسی طرح میرٹھ ڈویژنل کانفرنس ۱۹۳۹ء میں انہوں نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی اور ۱۹۳۹ء ہی میں سرسٹیفورڈ کرپس کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران انہوں نے برصغیر کے مسائل کے حل کے لیے تین تجاویز بھی پیش کیں یعنی تقسیم، محدود مرکز کے ساتھ کنفیڈریشن اور صوبائی خودمختاری۔[۷]

ان کے خیال میں جتنے ہندو آزادی حاصل کرنے کے متوالے ہیں مسلمان بھی اسی قدر اس کے حامی ہیں۔ یکم فروری ۱۹۴۵ء کو انہوں نے کہا کہ جب کبھی بھی ہندو اور مسلمانوں میں کوئی سمجھوتہ ہونے کے امکان ہوئے ہیں انگریز حکمران اسے باطل کر دیتے ہیں۔انہوں نے کہا ہندو ریاست میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہیں گے اور ان کے مسائل کا حل صرف اور صرف پاکستان ہی ہے۔انہوں نے ۳ فروری ۱۹۴۵ء کو کہاں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں پنگھوڑے سے قبر تک ہر بات علیحدہ ہے اور کسی بات پر یہ دونوں متفق نہیں ہوسکے۔

۱۹۴۶ء میں برطانیہ کا سہ رکنی وزارتی وفد ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا حل کرنے آیا تو اس کے ساتھ گفت وشنید میں مسلم لیگ کے ایک نمائندے کی حیثیت سے لیاقت علی خان نے حصہ لیا۔مسلم لیگ اور کانگرس نے وزارتی مشن کے منصوبے کو تسلیم کر لیا لیکن کانگرس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو کے ایک بیان میں، جس سے منصوبے کے ایک اہم جزد، یعنی صوبوں کی لازمی گروہ بندی، سے انحراف کیا گیا تھا مشن کی کارگزاری پر پانی پھیر دیا۔دریں اثناء وائسرائے نے منصوبے کے اس حصے پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کی جس کا تعلق ایک عبوری حکومت کی تشکیل سے تھا لیکن قائداعظم نے کانگرس کا یہ حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ ایک کانگریسی مسلمان کو عبوری حکومت میں شرکت کے لیے نامزد کرے۔اس صورت حال نے ایک سیاسی بحران پیدا کر دیا اور مسلم لیگ نے اپنی

مقبولیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے ۱۶، اگست ۱۹۴۶ء کو یوم راست اقدام منانے کا فیصلہ کیا اور تمام خطاب یافتہ مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ انگریز حکمرانوں کے خلاف احتجاج کے طور پر اپنے خطابات سے دستبردار ہو جائیں۔ اس موقع پر لیاقت علی خان نے اعلان کیا کہ آئندہ ان کے نام کے ساتھ 'نواب زادہ' کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ حکومت کے ساتھ مسلم لیگ کی اس محاذ آرائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کانگرس نے عبوری حکومت بنالی، لیکن جلد ہی کانگرس کی مجلس عاملہ یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوگئی کہ کانگرس نے وزارتی منصوبے کو مکمل صورت میں منظور کیا ہے۔

چنانچہ ۲۶ اکتوبر کو مسلم لیگ بھی عبوری حکومت میں شامل ہوگئی اور حکومت کے مسلم لیگی ارکان کی سربراہی لیاقت علی خان کو سونپی گئی۔ محکمۂ خزانہ لیاقت علی خان کو سپرد کیے جانے پر کانگرس نے کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ مسلم لیگ اقتصادی مسائل سے عہدہ برآ نہ ہو سکے گی۔ لیکن لیاقت علی خان نے نہ صرف نہایت خود اعتمادی سے مالیات کی ذمے داریاں سنبھالیں اور اپنے محکمے کو کانگرس کے ساتھ سیاسی جنگ میں بڑی کامیابی سے استعمال کیا بلکہ حکومت میں مسلم لیگ بلاک کی سربراہی کے فرائض بھی بہ حسن و خوبی انجام دیے۔[۸]

لیاقت علی خان اس عارضی حکومت میں مسلم لیگ بلاک کے لیڈر تھے جو تقریباً نو ماہ کے لیے (اکتوبر، ۱۹۴۶ء۔ جولائی، ۱۹۴۷ء) بنی تھی۔ اس کے علاوہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے ۱۹۴۶ء سے ڈپٹی لیڈر رہے جب کہ محمد علی جناح صدر تھے۔ چونکہ جناح صاحب اپنی مصروفیات کے باعث اسمبلی کے اجلاس میں کم شریک ہوتے تھے اس لیے عملی طور پر لیاقت علی خان ہی لیڈر رہتے تھے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے جس عہدے کے لیے وہ ۱۹۳۶ء کے مسلم لیگ کے بمبئی اجلاس میں چنے گئے تھے۔ وہ سب سے زیادہ عرصہ تک مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری رہے۔ وہ مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کے ممبر بھی تھے۔ چنانچہ ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات کے دوران جزوی طور پر مسلم لیگی امیدواروں کو چننے کے ذمہ دار بھی تھے۔[۵] عارضی حکومت میں لیاقت علی خان کو وزیر مالیات کا عہدہ ملا۔[۹]

۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو لیاقت علی خان نے مرکزی اسمبلی میں نئے سال کا بجٹ پیش کیا۔ ہندوستان کے پہلے غیر برطانوی وزیر خزانہ کے اس بجٹ کو 'پہلا قومی بجٹ' اور غریب آدمی کا بجٹ کہہ کر پکارا گیا۔ لیاقت علی خان کا صرف بجٹ ہی کانگرس کے لیے درد سر نہیں بنا، ان کا محکمۂ خزانہ 'عبوری حکومت' کے سارے دور میں کانگرس کے سر پر برہنہ تلوار کی طرح لٹکتا رہا اور وہ یہ باور کرنے لگ گئے کہ مسلم لیگ رہنماؤں سے نجات حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ پاکستان قائم کر دیا جائے۔[۱۰]

انہوں نے کہا کہ کسی مستقبل کے آئین کی موجودگی کے بغیر کوئی لمبی مدت کا بجٹ یا معاشی منصوبہ بندی مشکل کام تھا مگر یہ بھی ممکن نہ تھا کہ آئینی مسائل کے حل ہونے تک ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے رہیں۔ چنانچہ برصغیر کے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے ہمیں آگے آنا ہوگا اور لوگوں کا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے کام کرنا ہوگا۔[۱۱]

تحریک پاکستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو نواب زادہ لیاقت علی خان کی سیاسی سوجھ بوجھ، بے لوثی، گفتار و کردار میں جرأت اور انتظامی صلاحیتوں کی فراوانی کے متعدد مظاہرے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے شدید نا مساعد حالات میں مسلم لیگ کی ایسے خطوط پر تنظیم کی کہ وہ نہایت مختصر سے عرصے میں مسلمانان ہند کی نمائندہ تر جماعت کے طور پر شناخت کی جانے لگی۔ قائداعظم نے مطالبۂ پاکستان کی منظوری کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خان کی غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں اور عوام میں ہردلعزیزی کے پیش نظر ہی ان کو پاکستان کا پہلا وزیر اعظم بنانے کے فیصلے کی تائید کی۔ وہ پاکستان کے پہلے وزیر دفاع بھی تھے اور انہوں نے اپنی ہر دو حیثیتوں میں ایک ناقابل تسخیر مثالی رہنما ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں جب چودھری ظفر اللہ خان وزیر خارجہ منتخب ہوئے تو انہوں نے صرف امور دفاع کی ذمہ داری سنبھال لی۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل اور لیاقت علی خان وزیر اعظم بنے۔

قیام پاکستان کے بعد جن مسائل سے پوری قوم کو گذرنا پڑا ان کو لیاقت علی خان نے نہایت تدبر سے حل کرنے کی کوشش کی۔ پنجاب کے فسادات، ہندو اور سکھ تاجروں، انتظامیہ کے لوگوں اور تاجروں کی ہجرت کر جانے سے پیدا ہونے والے مسائل، ۷ لاکھ کے قریب مہاجرین کی آمد، کسی مرکزی حکومت کی عدم موجودگی، غیر منظم فوج، دارالحکومت، مرکزی انتظامیہ کی عدم موجودگی، بھارت کا کرنسی کا بڑا حصہ اور دفاعی سامان دینے سے انکار، بھارت کا جوناگڑھ پر قبضہ، کشمیر پر چور دروازے سے داخلہ، ۱۹۴۸ء میں بھارتی ہیڈ ورکس کی طرف سے پاکستانی نہروں میں آنے والے پانی کو روک دینا۔ ان تمام باتوں پر قائداعظم نے غور و خوض کر کے پالیسیاں مرتب کیں مگر ان پالیسیوں کو لاگو کرنے والے لیاقت علی خان ہی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ۷، اکتوبر، ۱۹۴۷ء کو ریڈیو سے نشری تقریر کے دوران انہوں نے کہا کہ ہمیں آنے والے خطرات کا بخوبی احساس ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کچھ طاقتیں پاکستان کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں چنانچہ ہم بھی ہوشیار ہیں اور ان کو ان کے عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے علاوہ اندرونی طور پر بھی ہمیں متحد ہو کر لاقانونیت سے لڑنا ہوگا۔ اس سلسلے میں کسی بڑے یا چھوٹے سے رعایت نہیں برتی جائے گی۔[۱۲]

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد پاکستان کے گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین بنے اور لیاقت علی خان وزیراعظم۔ مگر اس وقت حکومت اور قوم کی قیادت کی اصل ذمہ داری وزیراعظم لیاقت علی خان نے ہی سنبھالی۔ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو لگن، تندہی اور خود اعتمادی کے ساتھ نبھایا۔ خصوصاً پاکستان کے دفاع کے مسئلے پر لیاقت علی خان نے خاص توجہ دی۔ مئی جون، ۱۹۴۹ء میں انہوں نے امریکہ اور کینیڈا کا دورہ کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مسلم ممالک سے تعلقات بڑھانے کی کوششیں کیں خصوصاً ایران کے ساتھ پاکستان کے تعلقات بہت اچھے ہو گئے۔ اقوام متحدہ کے کشمیر کے مسئلے پر تاخیری حربوں کے باعث لیاقت علی خان کی مسلم ممالک کے ساتھ گہرے تعلقات استوار کرنے کی خواہش مزید مضبوط ہوئی۔[۱۳]

سب سے زیادہ مشکل اور اہم کام ملک کا دستور بنانا تھا۔قائد ملت لیاقت علی خان نے ۷ مارچ، ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں ان اصولوں کی وضاحت کی جن پر پاکستان کے دستور اساسی کو بنایا جانا تھا۔مارچ۔۱۹۴۹ء میں لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی سے چند اہم فیصلے کرائے جن میں وزیروں اور سرکاری افسروں کے احتساب کے ایک قانون پیروڈا کی منظوری اور آئین کے بنیادی اصول طے کرنے کے لیے ایک کمیٹی کا تقرر شامل تھا۔اکتوبر،۱۹۵۰ء میں وہ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوگئے کیونکہ چودھری خلیق الزماں نے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔[14]

۱۹۵۰ء کے اوائل میں کلکتہ میں فسادات شروع ہوگئے بھارت نے اپنی فوجیں مشرقی پاکستان کی سرحد پر اکٹھی کردیں۔لیاقت علی خان نے مشرقی پاکستان کا دورہ کر کے مسلمانوں کو اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی تلقین کی اور دوسری طرف غیر مسلم اقلیتوں کو تحفظ کا یقین دلایا۔اس موقع پر جب کہ پاکستان اور بھارت جنگ کے دہانے پر کھڑے تھے لیاقت علی خان نے دہلی جا کر پنڈت نہرو سے مذاکرات کیے اور نتیجتہً ''لیاقت نہرو'' معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ جس کے تحت اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور فسادات کی صورت میں دونوں ملکوں کے درمیان رابطے کا بندوبست کیا گیا۔[15]

۱۹۴۷ء میں کشمیر کا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور پاکستان کے غیر منظم جانباز بھارت کی باقاعدہ اور منظم فوج سے نبرد آزما ہوئے۔بھارت اس معاملے کو اقوام متحدہ میں لے گیا جس نے جنگ بندی کا فیصلہ کیا۔لیاقت علی خان نے یہ فیصلہ قبول کرلیا کیونکہ ان کی رائے میں پاکستانی فوج پوری طرح منظم نہیں تھی۔وہ اپنے تمام وسائل استعمال کر چکا تھا اور پاکستان کے انگریز کمانڈر انچیف نے بھارت کے گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن سے ساز باز کر کے کورا جواب دے دیا تھا کہ پاکستان کے انگریز فوجی اس جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔۱۹۵۱ء کے آغاز میں لیاقت علی خان نے برطانوی دولت

مشترکہ کے وزرائے اعظم کانفرنس کے سلسلے میں پہلی مرتبہ کشمیر کے مسئلے کو کانفرنس کے ایجنڈے پر رکھنے پر اصرار کیا۔[۱۶]

۲۲ دسمبر، ۱۹۴۹ء کو پنڈت نہرو نے جنگ نہ کرنے کے ایک مشترکہ اعلان کا مسودہ لیاقت علی خان کو بھجوایا۔ لیاقت علی خان نے ۱۴، فروری ۱۹۵۰ء کو اس کا مفصل جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اقوام متحدہ کی رکنیت بجائے خود اس امر کا اعلان ہے کہ بین الاقوامی مسائل جنگ کے ذریعے حل نہ کیے جائیں۔ دونوں ملکوں کی اقلیتوں کو عام طور پر اور مغربی بنگال، آسام، تری پورہ اور مشرقی پاکستان کی اقلیتوں کو خاص طور پر جو مسائل درپیش تھے، ان پر تبادلہ خیال کرنے کے لیے ۲، اپریل ۱۹۵۰ء کو وہ بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے دہلی میں ملے۔[۱۷]

جولائی ۱۹۵۱ء میں پنڈت نہرو کے اس دلیل پر کہ کشمیر کے مسئلے کا فیصلہ بھارت یا پاکستان کی مرضی سے نہیں بلکہ خود کشمیریوں کی مرضی سے ہوگا، لیاقت علی خان نے لکھا کہ ان کا کشمیر پر قبضہ ان کی دلیل کی نفی کرتا ہے۔ ان کے کشمیر پر دعوے کی بنیاد کشمیریوں کی خواہش نہیں بلکہ ایک ایسے ہندو راجہ کا عمل ہے جس نے کشمیریوں کی پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کی واضح خواہش کے برعکس بھارتی رہنماؤں سے ساز باز کر کے کشمیریوں پر ڈوگرا فوج سے حملے کرائے اور ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کے سراسر ناجائز معاہدے پر دستخط کر کے اس کے عوض بھارتی فوج کی امداد حاصل کر لی تا کہ کشمیریوں کو غلام بنایا جا سکے۔ انہوں نے کہا کشمیر اقوام متحدہ کی زیر نگرانی استصواب رائے کی راہ میں رکاوٹ یہ ہے کہ وہ کشمیر سے اپنی فوجیں واپس بلانے سے انکار کر رہے ہیں۔ اور وہ معاہدہ دہلی کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

لیاقت علی خان شروع ہی سے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو سدھارنے میں دلچسپی لیتے رہے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں یو۔ پی مسلم تعلیمی کانفرنس کے چالیس نکاتی مطالبات انہیں کی مساعی سے قبول کیے گئے تھے۔ ۱۹۳۴ء میں ان کی تعلیمی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں اینگلو عربک کالج دہلی کا صدر منتخب کیا گیا۔ یہ کالج عرصے سے بدحالی کا

شکار چلا آرہا تھا، لیکن لیاقت علی خان کی سرپرستی میں جلد ہی اس کا شمار ممتاز تعلیمی اداروں میں ہونے لگا۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں انہوں نے کل ہند مسلم تعلیمی کانفرنس کی صدارت کی۔ ان کا خطبۂ صدارت بہت فکر انگیز تھا۔ ۱۶ فروری، ۱۹۴۷ء کو انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے جلسۂ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کی پسماندگی اور بدحالی کو جدید علوم سے محرومی قرار دیا۔ انہوں نے کہا'' سائنس اور تحریک اسلام کے درمیان ایک ناگزیر رشتہ موجود ہے۔ قرآن مجید میں تاریخ اور رموز فطرت کے مطالعے پر زور دیا گیا ہے کیونکہ اس کے مطالعے سے قوموں کے عروج وزوال کے اسباب کا پتہ چلتا ہے اور سائنسی تحقیقات تسخیر کائنات میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہم آزادی کے لیے جدوجہد اس لیے نہیں کر رہے کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر کے ہندوؤں کی غلامی میں چلے جائیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اپنی علیحدہ آزاد اور خودمختار مملکت تشکیل کریں تا کہ ہم اس نصب العین تک پہنچ سکیں جس سے ہم کو تیرہ سو سال پہلے محمد عربی نے روشناس کرایا ہے''۔

لیاقت علی خان کے دور حکومت میں صوبائی سطح کے سیاسی رہنماؤں میں اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی، لیکن انہوں نے اپنی بہترین مدبرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ملک میں سیاسی استحکام قائم رکھا۔ پنجاب میں وزیر اعلیٰ نواب افتخار حسین خاں ممدوٹ اور وزیر خزانہ میاں ممتاز دولتانہ کے درمیان ۱۹۴۸ء میں رسہ کشی شروع ہو چکی تھی۔ یہ زور آزمائی اتنی سنگین شکل اختیار کر گئی کہ لیاقت علی خان کو جنوری ۱۹۴۹ء میں ممدوٹ وزارت کو برخاست اور صوبائی اسمبلی کو تحلیل کر کے صوبہ کا نظم ونسق آئین کی دفعہ ۹۳ کے تحت گورنر سر فرانسس موڈی کے سپرد کرنا پڑا۔

صوبائی مسلم لیگ۔ کے ممدوٹ نواز گروہ نے گورنر موڈی کے خلاف تحریک شروع کر دی لہذا گورنر موڈی کی جگہ انہوں نے سردار عبدالرب نشتر کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا۔ لیاقت علی خان سیاسی تنازعات کو زیادہ دور تک نہیں جانے دیتے تھے اور معقول سیاسی سمجھوتوں کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے۔ دوسری جانب سندھ کے وزیر اعلیٰ محمد ایوب

کھوڑو ایک متنازعہ شخصیت بن گئے تھے اور ان کو بھی عہدہ سے دستبردار ہونا پڑ گیا۔ وہ عہدہ سے ہٹنے کے بعد بھی ایک مسئلہ بنے رہے۔ سرحد میں وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان اور پیر مانکی شریف کے درمیان خاصی محاذ آرائی ہو رہی تھی لیکن لیاقت علی خان نے اس کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ختم کرا دیا۔ اس کے بعد خان عبدالقیوم اور یوسف خٹک کے درمیان تلخی شروع ہوئی۔ چونکہ سرحد کے معاملات نازک تھے اور افغانستان وہاں 'پختونستان' کا پروپیگنڈا کر رہا تھا لہٰذا لیاقت علی خان وہاں کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے خود تشریف لے گئے اور مسلم لیگ کے داخلی تنازعہ کو ابتداء میں ہی ختم کر دیا۔ لیاقت علی خان کا اسلامی معاشرے کے متعلق ایک متوازن مگر جامع نظریہ تھا جو اس ''قرارداد مقاصد'' میں بھی منعکس ہوا جس کو انہوں نے ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نظریے کے تحت پاکستان ایک جمہوری ملک ہوگا جس میں مکمل سماجی انصاف،، قانون کی نظر میں ہر شخص کی برابری، ذاتی آزادیوں کے تحفظ اور اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت دی جائے گی لیکن یہاں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن مجید اور سنت نبویؐ کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو۔ انہوں نے ۱۲ نومبر ۱۹۵۰ء کو خیر پور میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس خواب کو پورا کرنا ہے جس کے مطابق پاکستان میں ہم سچے مسلمانوں کی طرح اسلامی اصولوں پر عمل کر کے دنیا کو یہ دکھا سکیں کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظاموں کے علاوہ بھی ایک نظام ہے جس کے اصول اسلام فراہم کرتا ہے۔

سیاسی مسائل سے نپٹنے کے ساتھ ساتھ لیاقت علی خان نے مملکت کو مستحکم کرنے کا کام جاری رکھا۔ چونکہ دفاع کا محکمہ ان ہی کے پاس تھا لہٰذا انہوں نے بری فوج، فضائیہ اور بحریہ کو منظم کرنے اور ان کا معیار کارکردگی بلند کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے مسلح افواج میں انگریز افسروں کی بجائے پاکستان افسروں کا تقرر کرنے کے لیے تیزی سے اقدامات کیے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مدنظر رکھا کہ افواج کی صلاحیتوں میں کمی نہ آنے پائے۔ افواج کو مکمل طور سے قومیانے کی پالیسی کے تحت انہوں نے جنوری ۱۹۵۱ء میں جنرل محمد ایوب خان کو پاکستان کا پہلا کمانڈر

انچیف مقرر کیا۔اسی برس آپ ایک جلسے میں تقریر کر رہے تھے کہ کسی شخص نے ان پر گولی چلا دی جس کے نتیجے میں وہ شہید ہو گئے۔

حوالہ جات

۱۔ M. Rafique Afzal (ed). *Speeches and Statements of Quaid-i-Millat Liaqat Ali Khan (1941-51)*, Lahore, Research Society of Pakistan, 1967, Islamabad.

۲۔ خواجہ رضی حیدر، *قائداعظم اور لیاقت علی خان کی مثالی رفاقت*، روز نامہ جنگ، ۱۶، اکتوبر، ۲۰۰۳ء۔

۳۔ ایم۔رفیق افضل، حوالہ سابقہ۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ خواجہ رضی حیدر، حوالہ سابقہ۔

۶۔ Prof. Sharif -Ul- Mujahid, *Liaqat Ali Khan; Credentials and Accomplishment* , The News, 16 Oct, 2003 .

۷۔ ایم۔رفیق افضل، حوالہ سابقہ، ص ۳۳۔

۸۔ ایضاً، ص ۲۵۔۲۶۔

۹۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۸، ص ۱۷۰۔

۱۰۔ پروفیسر شریف المجاہد، حوالہ سابقہ۔

۱۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۸: ۱۷۱، ۱۷۲۔

۱۲۔ ایم۔رفیق افضل، حوالہ سابقہ، ص ۶۲۔۶۳۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ سید نور احمد، *مارشل لاء سے مارشل لاء تک*، لاہور، ملک دین اینڈ سنز، ۱۹۷۰ء، ص ۲۷۳۔

۱۵۔ ایم۔رفیق افضل، حوالہ سابقہ، تعارف۔

۱۶۔ سید نور احمد، حوالہ سابقہ، ص ۳۸۸۔

۱۷۔ ایم۔رفیق افضل، حوالہ سابقہ، ص ۳۵۹۔